توضیح وتنقیح

"مروّجہ نظامِ زمینداری اور اسلام"
ایک وقیع اور عالمانہ کاوش

سیّد الفقہاء امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو اُجاگر کرنا وقت کی اہم ضرورت

از قلم: مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

"مروجہ نظام زمینداری اور اسلام" مخدوم گرامی مولانا محمد طاسین کی ایک نہایت درجہ عالمانہ کاوش ہے جو ۱۹۸۸ء میں "مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" سے شائع ہوئی، جبکہ یہ کتاب اس سے کئی سال پہلے "ماہنامہ حکمت قرآن لاہور" کی پندرہ اشاعتوں میں قسط وار شائع ہو چکی تھی۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے صدر مؤسس اور "ماہنامہ حکمت قرآن لاہور" کے مدیر مسئول محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس قیمتی علمی مقالہ کو کتابی شکل میں جلد سے جلد شائع کرنے کے متمنی تھے، لیکن بوجوہ دیر ہوتی چلی گئی اور بالآخر ۱۹۸۸ء میں کتاب سامنے آ گئی۔

مولانا محمد طاسین ایک درویش منش عالم دین ہیں۔ ہزارہ ڈویژن کے معروف شہر "ہری پور" سے تعلق ہے لیکن عمر عزیز انڈیا کے معروف شہر امروہہ کے بعد اب کراچی میں گزر رہی ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے اختلاف کے بعد حضرت مولانا سید محمد انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ صوبہ گجرات کے قصبہ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے جہاں قدرت کی عنایت سے پہلے سے موجود محدود نوعیت کا مدرسہ اُس علاقہ کی عظیم دینی درسگاہ بن گئی۔ وہاں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے توجہ دلانے سے آپ کے بعض عزیز شاگردوں نے ایک علمی مجلس کی داغ بیل ڈالی جس نے بعض نہایت درجہ اہم کتابیں بڑے اہتمام سے شائع کیں اور ایک مثالی لائبریری کا اہتمام کیا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ سارا سسٹم کراچی منتقل ہوگیا اور مولانا اپنے بزرگوں کی خواہش پر اس "مجلس علمی" کے ناظم و نگران قرار پائے۔

کراچی کی معروف شاہراہ "بندر روڈ" کے ہنگامہ خیز چوراہے "ٹاور" پر ایک قدیم وضع کی بلڈنگ کے ایک حصہ میں یہ لائبریری موجود ہے جو کراچی کے اہل علم و فضل کے لئے "گوشۂ طمانیت" کا درجہ رکھتی ہے اور لاتعداد متلاشیانِ علم اور طالبانِ حقیقت اس سے استفادہ کر چکے ہیں۔ اسی لائبریری کے ایک گوشہ کی مختصر سی رہائش گاہ میں حضرت مولانا مقیم ہیں۔ بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھ کر لائبریری کے مین ہال میں داخل ہوتے ہی ایک منحنی وجود کا انسان سفید کپڑوں اور قراقلی ٹوپی میں ملبوس آپ کو مسکراتے چہرے کے ساتھ ملے گا' آپ کو خوش آمدید کہے گا... یہی مولانا محمد طاسین ہیں... علمی طور پر آپ کی بھرپور معاونت و خدمت ہوگی اور بوقت ضرورت ضیافت بھی۔ عصر حاضر میں علم کے حوالہ سے جو روایات بن چکی ہیں' مولانا میں ان میں سے کوئی بھی روایت نہیں' البتہ قدیم کتابی ذخیرہ میں اہل علم کے حوالہ سے جو کچھ پڑھا' اس کی جھلکیاں مولانا کی سیرت و کردار میں نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا "شرفاء" سے خالی نہیں ہوئی۔

مولانا المحترم محض "مجلس علمی" کے ناظم ہی نہیں بلکہ علمی دنیا کے ایک خاموش اسکالر ہیں جن کی علمی صلاحیتوں کا ہر شریف آدمی معترف ہے۔ مولانا المحترم کا خاص موضوع "معاشی مسائل" ہیں جس کے حوالہ سے مندرجہ بالا معیاری اور ٹھوس علمی کتاب کے علاوہ بھی ان کے متعدد مقالے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں اور ایک دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد طاسین نے لکھا ہے:

"جاننے والے جانتے ہیں کہ دور حاضر کو معاشیات کا دور بھی کہا جاتا ہے' شاید اس وجہ سے کہ اس دور میں زندگی کے معاشی پہلو اور اقتصادی شعبے کو جس قدر اہمیت حاصل ہوگئی ہے اس سے پہلے کبھی اس قدر حاصل نہ تھی' بلاشبہ آج انسانی ذہن پر جو رجحان سب سے قوی اور غالب ہے وہ معاشی رجحان ہے"۔ (کتاب مذکور ص ۹)

مولانا کی یہ بات بڑی اہم ہے اور امرواقعہ یہ ہے کہ آج یہی صورت حال ہے جس کا ذکر انہوں نے کیا۔ آج دنیائے انسانیت اسی حوالہ سے تقسیم ہو رہی ہے اور انہی مسائل کو

ہر اعتبار سے بنیاد بنا لیا گیا ہے، لیکن دنیائے انسانیت کی قیادت کی مدعی قوم ۔۔۔ مسلمان قوم ۔۔۔ کا جو حال ہے اس کا تذکرہ بھی مولانا ہی کے الفاظ میں مناسب ہو گا:

"اُدھر ہم مسلمانوں کا بڑے زور شور سے یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کا اپنا ایک مستقل معاشی نظام ہے جو اشتراکی اور سرمایہ دارانہ دونوں معاشی نظاموں سے بنیادی طور پر مختلف اور افادی طور پر بہتر ہے، لیکن افسوس کہ اب تک ہم اپنے اس دعوے کا نہ عملی طور پر ثبوت پیش کر سکے ہیں نہ علمی اور نظری طور پر"۔ (ص ۱۰)

واقعہ یہی ہے کہ آج کی مسلم دنیا کے لگ بھگ ۵۰ ممالک ہیں جن میں سعودیہ بھی شامل ہے اور پاکستان بھی، ترکی بھی ہے اور مصر بھی ...... سعودیہ کی طرف سے دنیا کے مختلف حصوں میں مساجد وغیرہ کی تعمیر اور اندرون ملک چند سزاؤں کے حوالہ سے بڑا شہرہ ہے، پاکستان میں "نظریہ" کا بڑا ہنگامہ ہے، ترکی مدتوں "اسلامی خلافت" کا مرکز رہ چکا ہے اور مصر علمی حوالہ سے دنیا کی قیادت کا دعوے دار ہے، "الازہر" اور اس کی مخصوص شعبوں میں خدمات واقعی بڑی اہم ہیں، لیکن ان سمیت کسی ایک ملک میں بھی تو "اسلامی نظام" من کلِّ الوجوہ موجود نہیں اور پوری ذمہ داری سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان تمام ممالک کا نظام "سودی روایات" سے مرتب ہے ...... اور سود وہ لعنت ہے جس کے علمبرداروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اعلان جنگ کی دھمکی دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ اس طرح اپنے پیدا کرنے والے سے جنگ کی تدبیر کر رہے ہیں۔

"روسی انقلاب" کے ابتدائی سالوں میں جو مسلم زعماء وہاں گئے ان میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد عزیز مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہ کا نام سب سے اہم ہے۔ مولانا سندھی نے بڑے دکھ کے ساتھ اپنی خود نوشت میں لکھا ہے کہ:

"روسی قیادت سے اس معاملہ میں جب بات چیت ہوئی تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس سے متأثر نہ ہو لیکن اُن کے ایک سوال نے ہماری شرمندگی کا سامان کیا کہ کس مسلم ریاست میں یہ نظام عملاً موجود ہے؟ لیکن افسوس کہ اس کا کوئی مثبت جواب ہمارے پاس نہ تھا"۔

یہ ۲۳۔۱۹۲۲ء کی بات ہے، اب ۹۱۔۱۹۹۰ء ہے۔ وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا،

لیکن افسوس کہ مسلم ریاستوں کا معاملہ جوں کا توں ہے اور کوئی ایک مسلم ریاست بھی ایسی نہیں جس میں دعوے کے مطابق "صحیح اسلامی معاشی نظام" موجود ہو۔ یہی بات ہے جس کا مولانا محمد طاسین نے ماتم کیا۔ رہ گیا معاملہ علمی و نظری طور پر معاشی نظام کا تو مولانا نے تفصیل سے بتلایا ہے کہ متفرق اجزاء پر اِدھر اُدھر کام تو ہوا ... گو وہ بھی بہت محدود پیمانے پر...... لیکن بقول مولانا:

"میں سمجھتا ہوں مسلمان علمائے کرام کے ذمے یہ کام کرنا باقی ہے اور انہیں یہ کام اس لئے بھی ضرور کرنا چاہئے کہ عہد حاضر میں اس کا کرنا دین اسلام کی عظمت و برتری ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے"۔ (ص ۱۱)

لیکن وا حسرتا کہ "اسلامی نظام" کا ہنگامہ تو ہر طرف خوب ہے لیکن کام کوئی نہیں۔ اس کا بڑا واضح نقصان ہمارے سامنے یہ ہے کہ غیر مسلم دنیا کے لئے عملی دعوت کا تو کیا انتظام ہوتا، خود مسلم امہ کے ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوان تنفّر کا شکار ہو رہے ہیں کہ معاشرہ ان کے حقوق پورے کرنے سے قاصر ہے۔ اور عملاً وہ صورت بن چکی ہے جس کا اظہار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ نے اپنی ایک رباعی میں کیا اور یہ رباعی حسرت لدھیانوی کی نذر کر دی۔ اب یہ رباعی حسرت کے مجموعہ میں موجود ہے:

ملیں اس لئے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں
چمن کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا تھا
کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

ایسے حالات میں ایک شخص ہمت کر کے اٹھتا ہے، قرآن مجید کے علاوہ حدیث، فقہ، تفسیر، اقتصاد و اجتماع اور لغت و اسماء الرجال وغیرہ کی ۷۷ اہم اور بنیادی کتابوں کو سالہا سال کھنگالتا ہے، پھر غور و فکر کر کے، نتائج اخذ کر کے ایک علمی ارمغان اہل علم کے سامنے پیش کرتا ہے تو اہل علم کا فرض ہے کہ وہ اس کی پذیرائی کریں، ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو کر اس کا مطالعہ کریں، نتائج اخذ کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو علمی انداز سے مذاکرہ کر کے اس کی اصلاح کریں ...... لیکن ستم یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس کی روایت نہیں اور صدیوں سے جو روایات ہمارے یہاں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہیں ان کے

متعلق ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں اور گزشتہ صدیوں کے کسی "صاحب علم" کے کسی نظریہ پر "تنقید" کو فوراً منفی رنگ دے کر اس قسم کی جسارت کرنے والے پر طعن و تعریض کے تیر برسانا شروع کردیئے جاتے ہیں۔

○○○○○

مولانا محمد طاسین میرے بہت ہی کرم فرما ہیں اور میرے والد گرامی مولانا محمد رمضان علوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے بہت ہی مخلصانہ مراسم تھے ...... ایسے میں مولانا قاضی عبدالکریم زید مجدہم مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان بھی اس فقیر کے پرانے کرم فرما، مخلص بزرگ اور ابّا مرحوم کے تعلق والے ہیں۔ اس لئے آج میں ایک بہت ہی مشکل مرحلہ سے دوچار ہوں اور اس مشکل کا سبب مخدوم گرامی قاضی صاحب کا وہ مقالہ ہے جو میری ابتدائی مادر علمی "مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان" کے آرگن ماہنامہ "الخیر" کی ایک قریبی اشاعت میں سامنے آیا۔ "مدرسہ خیر المدارس" تقسیم سے قبل مشہور شہر جالندھر میں حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حد درجہ نیاز مند خادم، صاحب نظر و بصیرت عالم مولانا خیر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا۔ مشہور احراری عالم مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے دست راست تھے۔ اس مدرسہ کی جالندھر اور تقسیم کے بعد ملتان میں عظیم خدمات ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں مولانا خیر محمد انتقال فرما گئے تو ان کے صاحب علم صاحبزادے استاذی مولانا محمد شریف رحمہ اللہ تعالیٰ ذمہ دار قرار پائے۔ چند سال قبل سفر حج کے دوران وہ مکہ معظمہ میں جوار الٰہی میں پہنچ گئے تو لاہور کی ایک پارٹی کی طرف سے اس مدرسہ کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس خطرہ کو ٹالنے کے لئے مولانا محمد شریف کے جواں سال فرزند کو اہتمام کی ذمہ داری سونپی گئی جو اپنے عظیم اسلاف کی خاموش خدمت کے بجائے سٹیج کے آدمی ہونے کے سبب بہت کچھ کر گزرتے ہیں اور "صاحبزادگی" کی روایات کے حوالہ سے داستانوں کی ایک تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ انہی داستانوں میں اس عظیم درسگاہ کے مجلّہ کا معاملہ ہے جو ایک علمی مجلّہ ہونے کے بجائے "روایتی زرد صحافت" کی علمبرداری میں اکثر پیش پیش رہتا ہے ...... اس لئے اس میں کسی مضمون کا اشاعت پذیر ہونا کوئی ایسا معاملہ نہیں جس کا نوٹس لیا جائے ...... لیکن مخدوم گرامی مولانا قاضی عبدالکریم کے قلم سے چونکہ یہ تحریر آئی ہے اس لئے بادل نخواستہ احقر کو متوجہ ہونا پڑا۔

مندرجہ مضمون کا عنوان ہے: "مسئلہ مزارعت' صاحبین کا مسلک اور اسلاف پر تنقید" ...... محترم قاضی صاحب نے اکتوبر ۸۴ء کا "حکمت قرآن" کا شمارہ کہیں ان ایام میں دیکھا جس میں اس مقالہ کی آخری یعنی ۱۵ویں قسط تھی۔ قاضی صاحب کے ۱۰ صفحات کے اس مضمون کی ابتدا "حکمت قرآن کی حکمت عملیہ کے عین مطابق اسلاف کرام اور فقہائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے دامن تقدس پر چھینٹے ڈالنا" ...... (رسالہ مذکور ص ۴۲) سے ہوتی ہے' جو ظاہر ہے کہ ایک بڑا دعویٰ ہے اور "الخیر" کے قارئین کو یہ باور کرانا ہے کہ اسلاف و فقہاء کے دامن پر چھینٹے ڈالنا "حکمت قرآن" کی پالیسی ہے۔

"حکمت قرآن" کے کرتا دھرتا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہیں۔ ان سے میں بھی واقف ہوں اور بھی بہت سے لوگ واقف ہیں۔ وہ اپنی قرآنی خدمات کے حوالہ سے ملک و بیرون ملک خاصے متعارف ہیں اور اب ایک عرصہ سے "تنظیم اسلامی" کے حوالہ سے ایک جماعت کا نظم بھی چلا رہے ہیں جو مروجہ سیاسیات سے الگ تھلگ رہ کر "انقلابِ اسلامی" کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ ان کی فکر کے کسی گوشہ سے اختلاف ممکن ہے ...... خود مجھے ہے' جس کا اظہار میں اپنے ایک طویل مقالہ میں کرچکا ہوں ...... لیکن "اسلاف و فقہاء کے دامن اقدس کو داغدار کرنے کی روایت" ان کے کھاتہ میں ڈالنے کو کس چیز کا نام دیا جائے؟ حضرت قاضی صاحب کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں اسے "بہتان" سے تعبیر کرتا۔ لیکن ہم جیسے چھوٹے احترام کی روایت کے علمبردار ہیں' یہی ہماری تربیت ہے' اس لئے میں ایسی جسارت نہیں کر سکتا' تاہم اپنے مخدوم قاضی صاحب سے یہ ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب سے آپ ضرور اختلاف کریں' یہ آپ کا حق ہے' میں نے خود اپنے اس حق کا استعمال کیا ہے' لیکن اسلاف و فقہاء کے دامن کو داغدار کرنے کی ان کے یہاں بالکل روایت نہیں۔ وہ ان معاملات میں اتنے حساس ہیں کہ مرحوم علامہ اقبال کی یاد میں منعقد ہونے والی تقریب میں' جہاں عمائدینِ حکومت' ارباب مسلم لیگ اور ایسے ہی حضرات جمع تھے ...... حسین احمد مدنی اور ابو الکلام آزاد (رحمہما اللہ تعالیٰ) جیسے مظلوم شرفاء پر تنقید سے وہ برہم ہو جاتے ہیں اور نہ صرف اس پر تنقید کرتے ہیں بلکہ ان حضرات کی خوبی و کمالات کا کھلے دل سے اعتراف کر کے وطن عزیز کے تھڑدلے عمائدین کو ہدایت کرتے ہیں کہ اس روش کو ترک کر دیں۔ ڈاکٹر صاحب جب

قریبی اکابر کے معاملہ میں اتنے حساس ہیں تو گزشتہ ادوار کے گرامی قدر اسلاف کے دامن کو داغدار کرنے کی روایت کا انہیں ملزم گردانا بہت بڑی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس روش سے محفوظ فرمائے۔

اگلے صفحہ پر ارشاد ہوتا ہے:

"یہ مولانا محمد طاسین صاحب اگر اسی قماش کے کوئی شخص ہیں جس قماش کے حکمت قرآن کے مدیر مسئول ہیں جو اس پندار میں مبتلا ہیں کہ آج کے مجتہد ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے ان کے درمیان جج بننے کی پوزیشن میں ہیں اور اس طرح ان پانچ فقہوں کے کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنے کے اہل ہیں" الخ (الخیر ص ۴۳)

ان ارشادات کے متعلق میں کیا عرض کروں ...... افسوس کہ ایک شریف النفس' مخلص اور متدیّن عالمِ دین کے خلاف یہ رویہ' جن کے متعلق لاتعداد لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان کی زبان سے کسی نے کسی عام شخص کی غیبت نہیں سنی' جو عصر رواں کے اہل علم کا محبوب مشغلہ ہے۔ ان کی زبان سے کسی نے دکھ نہیں اٹھایا' انہوں نے پوری زندگی "طالب علمانہ" انداز میں گزار کر محض علم کی خدمت کی اور کبھی کسی انداز کا دعویٰ نہیں کیا' جب قلم اٹھایا' محض طالب علمانہ انداز سے اور اس احساس کے ساتھ کہ اس سے خلق خدا کو فائدہ پہنچ جائے۔ مسئلہ مزارعت کے جس حصہ کو ایک خط میں پڑھ کر محترم قاضی صاحب اتنے برہم ہوئے وہ "مزارعت اور تعاملِ امت" کی بحث ہے جس کے آخر میں مولانا المحترم نے اپنی اس کوشش کو "طالب علمانہ انداز کی محنت و کاوش" قرار دیا اور لکھا:

"میری یہ کوشش و کاوش کامیاب ہے یا ناکام' یا کس حد تک کامیاب اور کس حد تک ناکام ہے' اس کا فیصلہ تو حقیقت پسند اور منصف مزاج اہل علم ہی کر سکتے ہیں' البتہ میں اظہار حقیقت کے طور پر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس کے لکھنے کا محرک سوائے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے دوسرا کوئی جذبہ نہ تھا۔ بہرحال یہ ایک غیر معصوم انسان کی انفرادی کوشش ہے' لہٰذا اس میں غلطیوں کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جو صاحب مجھے ان پر متنبہ کریں گے میں ان کا ممنون و شکر گزار ہوں گا" (مروجہ نظام زمینداری اور اسلام' ص ۲۵۰)

قاضی صاحب محترم خود ہی بتلائیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبہ سے قلم اٹھانے والے کو طعن و طنز کے تیروں سے چھلنی کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ بہتر ہوتا کہ نتائجِ فکر سے یا کسی بات سے اختلاف تھا تو علمی مذاکرات کے ذریعہ اس کو حل کیا جاتا ...... جبکہ چند سطور کے بعد مولانا قاضی عبدالکریم' خود مولانا محمد طاسین کو "اپنے جیسے طلبا کا کرم فرما" بھی کہہ رہے ہیں (رسالہ مذکور ص ۴۳) تو پھر اس کرم فرما سے علمی مذاکرہ میں کیا حرج ہے؟ اور لطف یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے ایک مضمون کا حوالہ دیا ہے جو احقر کی "ادارت خدام الدین" کے زمانہ میں شائع ہوا تھا (۱۹/ اکتوبر ۷۹) جس کا خلاصہ موصوف کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

"موجودہ زمینداریاں نفاذ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں' یہ پیٹ پرست مسلمانوں کو دہریت اور الحاد کی گود میں ڈلوا رہی ہیں' ایسے حالات میں علماء غور کریں اور صاحبین (حضرت الامام ابو یوسف اور حضرت الامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) کے مسلک کی بجائے الامام (حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کے مسلک پر نہ صرف فتویٰ دیں بلکہ ارباب اقتدار سے اس پر عمل کرانے کی تحریک بھی چلائیں"۔
(الخیر' ص ۵۱)

اور موصوف نے اسی حوالہ سے اپنے ایک اور مضمون کی بھی نشاندہی فرمائی جو "ماہنامہ بینات کراچی" کی محرم ۱۴۰۰ کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس کا لب لباب بھی یہی تھا۔ تو جب آپ خود بھی شدت سے اس کو محسوس فرماتے ہیں تو مولانا محمد طاسین کی علمی کاوش سے برہمی کیوں؟ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"میرے مضمون میں کمی اور کوتاہی یہی تھی کہ میں نے امام ابو یوسف' امام محمد اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے مسلک پر فتویٰ دینے والے متاخرین اور ارباب ترجیح کو گالیاں نہیں دیں"۔ (ص ۵۱)

جس کا معنی یہ ہے کہ مولانا محمد طاسین نے گالیاں دی ہیں؟ ...... فیا للعجب ...... چند سطر بعد بھی قاضی صاحب نے اسی قسم کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"بہرحال صاحب مضمون کو مزارعت بالحصہ کے خلاف تحقیق یا تحریک کا تو حق تھا لیکن اسلاف کو گالیاں دے کر انہوں نے لاکھوں سے زیادہ وابستگانِ مذہب کا دل مجروح کر دیا ہے" (ص ۵۱)

ہمیں یہی تو عرض کرنا ہے کہ مولانا تو ایسے نہیں ہیں۔ وہ تو کسی عام شخص کے معاملہ میں بھی منہ سے ایسی بات نہیں نکالتے، چہ جائیکہ اسلاف کو کوسیں۔ لیکن حضرت قاضی صاحب برابر "اسلاف کو گالیاں دینے" کا الزام لگا رہے ہیں۔ کاش ان کی نظر ان الفاظ قرآنی پر ہوتی کہ: "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا" ...... علمی تحقیق اور کسی ایک مسلک کو مرجوح ثابت کرنا اسلاف کو گالی تو نہیں! آخر حدیث و فقہ کی کتابوں کی تدریس کے دوران ہر مسلک کا مدرس اپنے مسلک کے ائمہ کے اقوال کو راجح اور دوسرے ائمہ کے اقوال کو مرجوح قرار دیتا ہی ہے۔ اس میں گالی کی کون سی بات ہے؟ افسوس یہ ہے کہ آج ہماری اکثریت توازن و اعتدال کے رویہ سے محروم ہو گئی ہے اور جمود کے خوفناک رویہ نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مجھے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک صاحب میرے مولانا ابوالکلام کے تعلق پر خاصے برہم تھے۔ کہنے لگے کہ تمہیں یہ مناسب نہیں، ابوالکلام تو بہت غلط آدمی ہیں ...... میں نے عرض کیا: کیوں؟ انہوں نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۴۳ میں "فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا" کے حوالہ سے کہا کہ تمہارے ابوالکلام نے اس سے ذلت و محکومی کی زندگی مراد لی ہے اور بخاری کی حدیث جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے کہ ان سے تین مرتبہ جھوٹ کا ارتکاب ہوا، اسے غلط قرار دیا ہے، حالانکہ بخاری "اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ" ہے ...... تو میں نے عرض کیا کہ البقرہ کی مذکورہ آیت سے متعلق یہ نقطہ نظر بہت سے مفسرین کا ہے۔ بعض حوالے بھی انہیں دکھلائے اور جہاں تک بخاری کی روایت کا تعلق ہے تو میں نے عرض کیا کہ مولانا ابوالکلام نے یہی تو لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کے معصوم نبی و رسول ہیں اور حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام تر جلالتِ علمی کے باوصف معصوم نہیں ...... اس لئے ان کی اس عظیم کاوش کی چند احادیث و روایات کمزور ثابت ہو جائیں تو قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی، لیکن اس حدیث کو صحیح ماننے سے حضرت ابراہیم کی ردائے عصمت مجروح ہوگی ...... تو اس میں مولانا نے کیا غلط لکھا؟ الغرض اصل مصیبت یہ بن آئی کہ علمی نقد و جرح اور علمی اختلاف کو گوارا نہ کرنے کی روایت اپنا لی گئی اور اس کو اسلاف کی توہین اور انہیں گالیاں دینے کا عنوان قرار دے دیا گیا ...... حالانکہ بات ایسی نہیں ہوتی۔

○○○○○

محترم قاضی صاحب کا مضمون مندرجہ "الخیر" سامنے آیا تو "حکمتِ قرآن" کے مدیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے مولانا محمد طاسین کی کتاب ایک خط کے ہمراہ انہیں ارسال کی گئی ...... اس موقع پر احقر نے بھی آں مخدوم کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ میرا مقصد تو محض اتنا تھا کہ ہر دو حضرات (مولانا محمد طاسین اور قاضی صاحب) احقر کے مخدوم ہیں، علمی بات علمی مذاکرہ سے حل ہو جائے، مجھے اس کا مطلق افسوس نہیں کہ انہوں نے مجھے درخور اعتناء نہیں سمجھا اور خط کا جواب تک مرحمت نہیں فرمایا، لیکن ڈاکٹر صاحب کے نام جو خط آیا اس میں بھی موصوف نے "مقصد میں اتحاد" تسلیم کرنے کے باوصف "تعبیر و طریق کار کے اختلاف کو کافی زیادہ نقصان دہ" ارشاد فرمایا اور اس کے لئے وہ چلتی سی مثال دی کہ "تمہارے والد صاحب" اور "تمہاری ماں کے خلاف" ...... مجھے اس سے متعلق کچھ عرض نہیں کرنا، عرض صرف یہ کرنا ہے کہ مقصد کے اتحاد کے باوجود اتنی برہمی کیوں؟ کیا یہ کہنا غلط ہے کہ مزارعت کے اس عمل نے انسانیت کو کتنا نقصان پہنچایا اور حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے ذہین و فطین خادمِ اسلام کے مبنی برحق موقف کو نظرانداز کر کے کتنی زیادتی کی گئی ...... آج خود ہمارے ملک میں ناجائز حوالوں سے چند مخصوص خاندانوں کی ملک بھر کی زرعی زمینوں پر اجارہ داری سے جو حالات پیدا ہوگئے ہیں، اس کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ زرعی زمینوں کے حرام خور مالکان آج انتظامیہ، عدلیہ، فوج، پارلیمینٹ اور پریس ہر چیز پر مسلط ہیں اور انہوں نے انسانیت کا خون چوس لیا ہے۔ یہ طبقہ انسانیت، شرافت اور مروت ہر چیز سے محروم ہے۔ خود غرضی، ہوس اور حبِّ جاہ و حبِّ مال کی بیماریوں نے ان کو اندھا بہرا کر دیا ہے اور یہ شرافت کی زبان تک سننا گوارا نہیں کرتے ...... آج حالت یہ ہے کہ اس دھرتی کے مقدس ایوانوں میں "زرعی ٹیکس" کی تجویز منظور نہیں ہو سکتی اور مرحوم ضیاء الحق جس کے اسلام کے لئے کارناموں کا آج ہمارا مذہبی طبقہ بہت معترف ہے، اس کی شرعی کورٹ میں اس کے دور میں ایک صاحب کی رٹ اٹھا کر پھینک دی گئی جن میں محض اس خطہ کی زمینوں کی حیثیت سے متعلق بحث مقصود تھی ...... درمیان کے محض ۲ سال چھوڑ کر لگ بھگ ۱۲ سال سے اس ملک میں پوری قوت سے اسلام اسلام کا ہنگامہ ہے۔ اس ہنگامہ کے پیش نظر ملک میں ولی اللّٰہی فکر کے علمبردار بری طرح آپس

میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ لیکن اسلام کی الف با بھی ابھی تک سامنے نہیں آئی ...... ان حالات میں علماء کے کرنے کا کام تو یہی ہے کہ وہ مسائل کو ان کے صحیح تناظر میں سامنے لائیں، لیکن اگر علماء اجتماعی طور پر ان باتوں کی توفیق نہیں پاتے تو کسی شریف انسان کی محنت اس طرح تو نظرانداز نہ کریں، جس طرح مزارعت کے مسئلہ پر ایک ٹھوس اور علمی کاوش کے خلاف کیا گیا۔

○○○○○

مولانا محمد طاسین کا وہ مضمون جو "حکمت قرآن" کی پندرہ اقساط میں سامنے آیا اب اڑھائی صد صفحات کی کتاب کی صورت میں موجود ہے۔ اس میں ابتدائی ۱۶ صفحات "پیش لفظ" کے ہیں، جن کا یہ پیرا بطور خاص قابل غور ہے:

"تعجب ہے کہ اس اعتقاد و اقرار کے باوجود کہ قرآن مجید اسلامی ہدایت کا اصل منبع و سرچشمہ ہے اور اس کے اندر زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ایسے اصول کلیہ اور مبادیٔ عامہ ضرور موجود ہیں جن میں اس شعبہ کے تمام جزوی مسائل کے لئے اجمالی ہدایت پائی جاتی ہے۔ کسی نے معاملۂ مزارعت کی بحث میں قرآن مجید کی طرف رجوع نہیں کیا کہ اس کے اندر اس کے متعلق کیا ہدایت پائی جاتی ہے، اس میں عام معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق جو اصولی ہدایت ہے اس کے مطابق معاملہ مزارعت جائز معاملات کے زمرے میں آتا ہے یا ناجائز معاملات کی فہرست میں؟ اگر ایسا کیا جاتا تو بات آگے بڑھتی اور حقیقت حال کو سمجھنے میں مدد ملتی"۔ (ص ۱۴)

یہ وہ بنیادی چیز ہے جس کی طرف بدقسمتی سے آج کے اہل علم توجہ نہیں دیتے۔ وہ سب کچھ پڑھیں گے، نہیں پڑھیں گے تو قرآن ...... اگر آج قرآن کی مظلومیت کا تماشہ دیکھنا ہو تو "قدیم مدارس" کے نصاب میں "قرآن" کا حال دیکھ لیں ...... رہ گئے جدید مدارس تو ان میں قرآن کاہے کو پڑھا پڑھایا جائے گا؟ وہ قرآن جو "خواجہ کے لئے پیغامِ مرگ" ہے، وہ قرآن جو اقوام و ملل کی بربادی کا ذمہ دار "مترفین" کو قرار دیتا ہے، وہ قرآن جو عدل اجتماعی کا سب سے بڑھ کر علمبردار اور ظلم کا سب سے بڑا دشمن ہے، اس قرآن کی طرف کیوں توجہ دی جائے؟ ...... فاضل مصنف نے "مزارعت اور قرآن مجید"

کے حوالہ سے ۱۵ صفحات میں حد درجہ علمی گفتگو فرمائی' لیکن افسوس کہ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اس کے باوجود کہ ہم سب قرآن مجید کو ہدایت کا سرچشمہ قرار دیتے اور اسے ...... منبع علوم و عرفان سمجھتے ہیں' دستور اسلامی کا بنیادی سرچشمہ اسے مانتے ہیں' لیکن اس پر غور نہیں کرتے ...... مصنف علام نے اس حصہ میں اصولی گفتگو فرمائی ہے اور معاشی معاملات میں قرآن کی اصولی ہدایات کو بنیاد بنا کر "معاملۂ مزارعت" کو اس حوالہ سے پرکھا ہے اور بہت صحیح نتائج اخذ کئے ہیں۔ لیکن واحسرتا کہ اسلاف کی عظمت کے گن گانے والے اسلاف کے رب ...... ساری کائنات کے خالق و مالک کی آخری کتابِ ہدایت کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

موصوف نے اس سلسلہ میں البقرہ کی آیت "اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" (آیت ۲۷۵) کو بنیاد بنایا ہے اور مزارعت کو اپنے طور پر نہیں' حضور سرور کائنات کے حوالہ سے "معاملہ ربٰو" میں شامل کیا ہے ...... "معاملہ ربٰو" کو ترک نہ کرنے والوں کے لئے آیت مذکورہ سے متصل آیت ۲۷۹ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی بات ارشاد فرمائی گئی اور حدیث کی معروف کتاب "المستدرک" کے حوالہ سے ٹھیک یہی بات "معاملۂ مزارعت" کے لئے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی (ص ۷۷) اور حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان واضح ارشادات کو نقل کیا جن میں "معاملۂ مزارعت" کو صریح طور پر "ربٰو" فرمایا گیا ہے۔ (ص ۷۷' ۷۸) اور مشہور مفسر حضرت الامام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے جو عبارت ہے اس کا ترجمہ ہے:

> "سوائے اس کے نہیں کہ حرام ٹھہرائے گئے ہیں مخابرہ جو پیداوار زمین کے ایک حصہ پر مزارعت کا نام ہے اور مزابنہ جو نام ہے درخت پر لگی تازہ کھجوروں کو زمین پر پڑے خشک چھوہاروں کے عوض خریدنا اور محاقلہ جو خوشوں میں محفوظ غلہ کو جو کھڑی کھیتی میں ہو' خشک غلے کے بدلے خریدنا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے معاشی معاملات صرف اس لئے حرام ٹھہرائے گئے ہیں کہ ربٰو کا کلی طور پر خاتمہ ہو جائے" (ابن کثیر' جلد ۱' ص ۳۲۷' بحوالہ کتاب مذکور ص ۷۹)

حضرت الامام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ مفسر و محدث ہیں ...... اور بلاشبہ "اسلاف" ہی میں

ان کا بھی شمار ہوتا ہے، ان کی تصریحات کا کیا کیا جائے گا۔ ایسے ہی علامہ القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی "اسلاف" ہی میں شمار ہوتے ہیں۔ البقرہ کی آیت ۲۷۹ کے ضمن میں ان کی تصریحات ج ۳ ص ۳۶۷ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ آخر میں ہے:

"یہ حدیث مخابرہ کے ممنوع ہونے کی دلیل ہے اور مخابرہ نام ہے زمین کو کاشت کے لئے نصف، تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لینا دینا، اسی کا دوسرا نام مزارعت ہے، تمام مالکی علماء، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے کچھ متبعین اور داؤد ظاہری کا اس پر اجماع ہے کہ زمین کو پیداوار کے تہائی، چوتھائی اور کسی حصہ پر دینا جائز نہیں"۔
(کتاب مذکور ص ۸۰)

مولانا نے یہ سب کچھ آیتِ ربوٰ کے ضمن میں لکھا اور آخر میں لکھا:

"اس اختلاف کو سلجھانے اور دور کرنے کا سب سے بہتر اور صحیح معیار قرآن مجید ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جو احادیث و روایات قرآن مجید کی اصولی ہدایت کے مطابق ہوں ان کو بے چون و چرا اختیار کر لیا جائے اور جو مطابق نہ ہوں ان کو معقول توجیہہ و تاویل کے ساتھ ترک کر دیا جائے"۔ (ص ۸۲)

اس قسم کا معقول، متوازن اور معتدل نقطہ نظر رکھنے والا عالم یہ کب تصور کر سکتا ہے کہ اس کی زبان و قلم سے اسلاف کی عظمت داغدار ہو۔ یقین جانیں کہ اسلاف ہم سب کا مشترکہ سرمایہ ہیں، ان کی علمی کاوشیں ہمارا عظیم سرمایہ ہے، وہ سرمایہ جس سے لحہ بھر کے لئے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، رہتی دنیا تک یہ سرمایہ امت کے اخلاف کے لئے مینارۂ نور ثابت ہو گا اور دنیا اس سے مستفید ہوتی رہے گی۔ تاہم یہ بات کہنا نہ غلط ہے نہ کوئی گستاخی کہ اسلاف اپنی تمام تر عظمت کے باوصف معصوم نہ تھے، ان کے نتائج فکر میں کوئی جھول رہ جائے تو بتقاضائے بشریت ایسا ممکن ہے۔ اس تصور کو منفی رنگ دینا مناسب نہیں ...... اور ہاں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت الامام مالک رحمہ اللہ اور حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تو اسلاف ہی کا حصہ ہیں اور ان دیار کی بھاری مسلم اکثریت کے لئے حضرت الامام ابو حنیفہ کا نام و کام بہت ہی بلند ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ دورِ صحابہ کے بعد سب سے بڑے اسلامی مفکر، دانشور اور صاحب نظر عالم ہیں، اجتماعی مسائل کے حوالہ سے ان کی بالغ نظری اور ان کا آفاقی شعور ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ مگر افسوس

کہ ان دیار کے حنفی حضرات نے اپنے امام کا حق ادا نہیں کیا۔ اجتماعی مسائل کے حوالہ سے حضرت الامام کی کاوشوں کا احترام کیا جاتا، انہیں پلے باندھا جاتا، انہیں رو بہ عمل لایا جاتا تو یہ دنیا آج جہنم کدہ نہ ہوتی اور بالخصوص ترکستان کے علاقے دین حق سے دوری و انحراف کی مصیبتِ عظمیٰ کا شکار نہ ہوتے...... بہرحال جذباتی انداز اختیار کرنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے مسائل کو عالمانہ وقار سے حل کرنا ہی دین کا اصل تقاضا اور وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

○○○○○

"مزارعت اور قرآن مجید" کی بحث کے بعد ص ۸۳ سے ۱۵۷ تک طویل بحث میں حضرت جابر، زید بن ثابت، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوسعیدا لخدری، حضرت انس بن مالک، حضرت ثابت بن الضحاک، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مسور بن مخرمہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت اُسید بن ظہیر اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل المرتبت صحابہ کرام کی روایات کو الگ الگ نقل کر کے ان میں سے ہر بزرگ صحابی کی روایات پر پوری پوری فنی بحث کی گئی ہے، روایت و درایت کے مسلمہ اصولوں کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے اور اسلاف کی گرامی قدر شخصیات میں سے ائمۂ جرح و تعدیل اور شارحین حدیث کے ارشادات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے ...... ہر بزرگ صحابی کی روایات نقل کر کے ان کا ترجمہ دے کر پھر ان پر بحث ہے ...... حضرات صحابہ کرام میں سے کسی بزرگ پر اگر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے تو اس کا بڑی خوبی سے دفاع کیا گیا ہے (ص ۹۳) ... کیونکہ حضرات صحابہ کرام "معیارِ حق و صداقت" ہیں (البقرہ آیت ۱۳، ۱۳۷)۔ حضرت الامام ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول "وحی کے عینی گواہ" ہیں ...... ان کے دامن اقدس کا مجروح ہونا بہت ہی خوفناک ہے۔ اس سے نہ قرآن کی حقانیت کا دعویٰ باقی رہے گا نہ سنتِ رسولؐ کے محفوظ و مصئون ہونے کی بات کوئی سنے گا۔ اس لئے حضرت الشیخ ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کے دامن اقدس کو داغدار کرنے والوں کو "زندیق" قرار دیتے ہیں۔ مولانا محمد طاسین نے ایک مخلص عالم کی حیثیت سے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھرپور دفاع کیا ہے کہ ہر سلیم الفطرت مسلمان کا یہ لازمی فرض ہے۔

اس بحث میں بطور خاص خیبر کے معاملات پر بڑی مدلل گفتگو کی گئی ہے ...... کیونکہ "خیبر" ایک ایسا خطہ ہے جو زرعی زمینوں پر مشتمل تھا۔ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے بعد یہود کا قلع قمع ہوا تو وہاں کی زمینوں کو یہود کی درخواست پر انہی کے پاس رہنے دیا گیا۔ بعض حضرات اسے "مزارعت" کا معاملہ قرار دیتے ہیں، لیکن بعض دوسرے اس کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا "خراج مقاسمت" کا معاملہ تھا جو اسلامی حکومت اور اس کی غیر مسلم رعایا کے درمیان طے پایا (ص ۱۰۵) سچ یہ ہے کہ یہ معاملہ "خراج مقاسمت" کا ہی تھا۔ اس پر مولانا نے مفصل دلائل دیئے ہیں۔ (۱۰۵ تا ۱۰۸) ...... اور اسلاف ہی میں سے ایک نامور بزرگ حافظ ابوبکر الحازمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن صحابہ کرام کو مزارعت کا مخالف لکھا ان میں ان بزرگ صحابہ کے بھی اسمائے گرامی ہیں جن سے خیبر کی روایات مروی ہیں، یعنی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ...... جو بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہیں سمجھتے تھے۔ یہ تو محض وقتی طور پر اس خطہ کی زمین کو محفوظ رکھنے کی کارروائی تھی جو اسلامی حکومت اور اس کی غیر مسلم رعایا کے درمیان طے پائی۔

مولانا نے مرحوم مولانا مودودی کی اس روش پربھی بڑے دکھ کا اظہار کیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزاج میں تقویٰ و ورع کی شدّت کو معاملۂ مزارعت کی مخالفت کی بنیاد بناتے ہیں (ص ۱۰۸)۔ اس میں شک نہیں کہ تقویٰ و ورع اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے لیکن مسائل و معاملات میں توازن و اعتدال بجائے خود تقویٰ و طہارت ہے۔ زمینداروں کی خوشنودی کے لئے زرعی زمینوں کی لامحدود ملکیت اور انہیں معاملۂ مزارعت پر لینے دینے کے جواز کا نقطہ نظر رکھنے والے حضرات اس قسم کے باریک فرق کو نہیں سمجھ سکتے اور اس قسم کے نقطہ نظر کا اظہار کر کے وہ صحابہ کے معاملہ میں حد درجہ بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتے ہیں ...... اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیئے۔

اس بحث میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کی بحث (ص ۱۱۴ سے ۱۳۳) بطور خاص لائق مطالعہ ہے کہ انہی بزرگ صحابی کی روایات کے حوالہ سے غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ مولانا نے ان کے حوالہ سے ۱۷ روایات درج کی ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بحث کی ہے اور ان کے مفہوم کو اسلاف کے حوالہ سے متعین

کیا ہے۔ اس ضمن میں فنی ابحاث بڑی نادر ہیں جو لائق مطالعہ ہیں اور حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محدث کے حوالہ سے حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور ان سے اختصار و اجمال کے ساتھ اور کبھی تفصیل کے ساتھ' کبھی براہ راست اور کبھی اپنے چچاؤں کے واسطہ سے جو روایات منقول ہیں ان کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ (ص ۱۳۰) ...... نتیجہ کے طور پر مولانا کا یہ لکھنا سو فیصد صحیح ہے کہ:

> "یہ الفاظ اس پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ مخابرت و مزارعت کی ممانعت اخلاقی نوعیت کی نہیں بلکہ قانونی نوعیت کی ہے جس کی پابندی پر حکومت ،مسلمان رعایا کو مجبور کر سکتی ہے۔ گویا یہ معاملہ ان معاملات میں سے ہے جو ظلم و حق تلفی پر مبنی اور عدل و قسط کے منافی ہے"۔ (ص ۱۳۲)

گو کہ حدیث کی بحث میں ساتھ ساتھ مولانا نے گفتگو کر دی ہے لیکن پھر ایک الگ علمی بحث چھیڑی ہے ... ("احادیث مزارعت کے مابین تعارض کی بحث" ص ۱۳۴ تا ۱۴۶)۔ اس بحث میں مولانا کا دعویٰ یہ ہے کہ ان روایات میں کوئی حقیقی تعارض نہیں (ص ۱۳۴) ...... ہاں جن حضرات کو تعارض نظر آتا ہے ان کے لئے محدثین کرام اور اصول حدیث و اصول فقہ کے نامور ماہرین کے طے کردہ ضابطوں کی روشنی میں حل سامنے آ جاتا ہے۔ متعارض احادیث کا معاملہ کیونکر طے ہو؟ ...... شیخ سیوطی اور علامہ حازمی رحمہا اللہ تعالیٰ نے اس پر بحث کی ہے اور جو ممکن طریق ہو سکتے ہیں ان کے حوالہ سے اس مسئلہ کو شافی طریق سے حل کیا ہے' مثلاً نسخ کا طریقہ ...... آخر اس کی واضح بنیاد خود قرآن مجید میں موجود ہے (البقرہ: ۱۰۶) ...... ترجیح کا طریقہ' جس میں ۱۵ کے لگ بھگ اصول محدثین نے تجویز فرمائے ہیں (ص ۱۴۳ تا ۱۴۵) اس میں ایک طریقہ قولی اور فعلی احادیث کا بھی ہے کہ قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے ...... "معاملہ خیبر" کو اگر "مزارعت" کا معاملہ وقتی طور پر مان بھی لیا جائے (اس پر بحث ہو چکی ہے کہ یہ معاملہ ایسا ہے ہی نہیں) تو بھی قولی احادیث کی وجہ سے عدم جواز کی روایت کو ترجیح ہوگی (ص ۱۴۶)۔ ایک طریقہ "جمع و تطبیق" کا ہے ...... محدثین و اصولیین کے نزدیک یہ بہت اہم اصول ہے اور "متعارض معاملات" میں اس سے باقاعدہ کام لیا جاتا ہے۔ یہاں اول تو تعارض ہے

مولانا کے بقول:

"حضرت ابو جعفر کے زمانہ میں مہاجرین کی اولاد کا مزارعت پر عمل در آمد تھا تو یہ چیز شرعاً مزارعت کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ کسی معاملہ کے جواز و عدم جواز کا اصل دارومدار کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کے دلائل پر ہے۔ مسلمانوں کا جو تعامل کتاب و سنت کے مطابق ہو وہ جائز و صحیح ہے اور جو مخالف ہو وہ ناجائز و غیر صحیح"۔ (ص ۱۷۵)

گویا کسی فرد یا افراد کا معاملہ (صحابہ علیہم الرضوان کے سوا) ایسا نہیں کہ اسے معیار بنایا جا سکے اور اس کے طرز عمل کو دین کا نام دیا جا سکے۔ اس غلط طرز عمل نے بہت سی "نادیدنی اشیاء" کو "دیدنی" بنا دیا ہے اور عجیب و غریب قسم کی خرافات عقائد کے عنوان سے ہم پر مسلط ہو گئی ہیں۔ اس کی بدترین شکلیں ان مجموعوں میں دیکھی جا سکتی ہیں جو عقائد کے حوالہ سے معروف مقام رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک مجموعہ تفتازانی صاحب کا ہے جن کی کتاب ہمارے درس نظامی کا جزو لاینفک ہے ...... مولانا مفتی محمود خلد آشیانی نے وفاق المدارس العربیہ کی صدارت کے دور میں اس ناچیز سے فرمایا کہ تفتازانی شیعہ نہیں تو تشیع سے بری طرح متاثر ضرور ہے ...... دلیل کے طور پر ان کی کتاب "مختصر المعانی" میں سیدنا المخدوم معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی رضی اللہ تعالیٰ کے نام سے ایک بدترین مثال کا ذکر کیا تو "شرح العقائد" میں واقعاتِ کربلا کے حوالہ سے ان عبارات کا ذکر کیا جنہیں ہم سب ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ آپ ذمہ دار ہیں اور بااختیار صدر ...... ان کو بدل دیں! حضرت الامام ابوحنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز جیسے فقیہ اعظم اور متکلم اسلام کا رسالہ عقائد میں ہے، اسے سامنے لائیں، لیکن "حلقہ یاراں" کی شدت پسندی نے انہیں بے بس کر رکھا تھا۔ اس رویہ کا ماتم کہاں کہاں کیا جائے؟

یہ بحث کہ جناب ابو جعفر کی اولاد تو مدنی ہے اور اہل مدینہ کے تعامل کو نظر انداز کرنا آسان نہیں ...... تو اس پر مولانا نے بحث کی (ص ۱۷۶۔۱۷۷) کہ ہر دور کے اہل مدینہ کا تعامل کیونکر روا ہو گا! ...... اور پھر اہل مدینہ کے تعامل کے حوالہ سے حدیث کی معروف کتاب "الموطا" موجود ہے ...... جو حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول

مولانا کے بقول:

"حضرت ابو جعفر کے زمانہ میں مہاجرین کی اولاد کا مزارعت پر عمل درآمد تھا تو یہ چیز شرعاً مزارعت کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ کسی معاملہ کے جواز و عدم جواز کا اصل دارومدار کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کے دلائل پر ہے۔ مسلمانوں کا جو تعامل کتاب و سنت کے مطابق ہو وہ جائز و صحیح ہے اور جو مخالف ہو وہ ناجائز و غیر صحیح"۔ (ص ۱۷۵)

گویا کسی فرد یا افراد کا معاملہ (صحابہ علیہم الرضوان کے سوا) ایسا نہیں کہ اسے معیار بنایا جا سکے اور اس کے طرز عمل کو دین کا نام دیا جا سکے۔ اس غلط طرز عمل نے بہت سی "نادیدنی اشیاء" کو "دیدنی" بنا دیا ہے اور عجیب و غریب قسم کی خرافات عقائد کے عنوان سے ہم پر مسلط ہو گئی ہیں۔ اس کی بدترین شکلیں ان مجموعوں میں دیکھی جا سکتی ہیں جو عقائد کے حوالہ سے معروف مقام رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک مجموعہ تفتازانی صاحب کا ہے جن کی کتاب ہمارے درس نظامی کا جزو لاینفک ہے ...... مولانا مفتی محمود خلد آشیانی نے وفاق المدارس العربیہ کی صدارت کے دور میں اس ناچیز سے فرمایا کہ تفتازانی شیعہ نہیں تو تشیع سے بری طرح متاثر ضرور ہے ...... دلیل کے طور پر ان کی کتاب "مختصر المعانی" میں سیدنا المخدوم معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی رضی اللہ تعالیٰ کے نام سے ایک بدترین مثال کا ذکر کیا تو "شرح العقائد" میں واقعاتِ کربلا کے حوالہ سے ان عبارات کا ذکر کیا جنہیں ہم سب ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ آپ ذمہ دار ہیں اور بااختیار صدر ...... ان کو بدل دیں! حضرت الامام ابو حنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز جیسے فقیہ اعظم اور متکلم اسلام کا رسالہ عقائد میں ہے، اسے سامنے لائیں، لیکن "حلقۂ یاراں" کی شدت پسندی نے انہیں بے بس کر رکھا تھا۔ اس رویہ کا ماتم کہاں کہاں کیا جائے؟

یہ بحث کہ جناب ابو جعفر کی اولاد تو مدنی ہے اور اہل مدینہ کے تعامل کو نظر انداز کرنا آسان نہیں ...... تو اس پر مولانا نے بحث کی (ص ۱۷۶۔ ۱۷۷) کہ ہر دور کے اہل مدینہ کا تعامل کیونکر روا ہوگا! ...... اور پھر اہل مدینہ کے تعامل کے حوالہ سے حدیث کی معروف کتاب "الموطا" موجود ہے ...... جو حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول

لوگ بہت کم ظرف ہوتے ہیں جو حقیقت کو نہ سمجھ کر ہنگامہ کر دیتے ہیں، جیسے چند سال قبل لاہور میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کی معرکتہ الآراء کتاب "تاریخ تصوف" پر بعض نادانوں نے اس لئے ہنگامہ کیا کہ اس کتاب میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "کشف المحجوب" کے متعلق لکھا ہے کہ "اس میں مندرج احادیث اکثر فنی اعتبار سے صحیح نہیں کہ آں مخدوم کا یہ فن تھا ہی نہیں" ...... جاہلوں کے ہنگامہ سے نالائق حکومت نے کتاب ضبط کر لی، جسے ہم نے کورٹ میں چیلنج کر دیا اور کتاب بحال ہوئی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مولانا انور شاہ نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حدیثی و فقہی مقام میں فرق کیا ہے تو ایک حقیقت ہے، اس پر چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہیں ...... ایسے ہی مولانا محمد طاسین جیسے اصحاب علم، علمی کاوش سے کوئی بات کہتے ہیں تو انہیں اسلاف کا دشمن گردانا انصاف نہیں ...... ہاں مزہ اس میں ہے کہ مولانا نے جس محنت سے کتاب لکھی اور جس قدر مطالعہ کر کے یہ گلدستہ تیار کیا، اس طرح کوئی پتہ مار کر ان کے نتائج فکر کو جھٹلائے۔ اس حصہ میں صحابہ و تابعین کے وہ آثار بھی بڑی کثرت سے نقل ہیں جو مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتے ہیں (ص ۲۱۰ تا ۲۱۴) ...... ان حضرات میں بڑی نامور اور اہم شخصیتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کی جلالتِ علمی کا اپنا ایک مقام ہے۔

○○○○○

اب مولانا اس موڑ پر آتے ہیں جہاں حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے مزارعت پر گفتگو ہے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں واضح کیا ہے کہ ان بزرگوں کے موقف کے لئے ان کی فقہ سے متعلق بنیادی کتابیں سامنے ہونا لازم ہیں کہ صدیوں بعد کی کتابیں ایسی ہیں کہ ان کے مؤلفین اپنے امام کے موقف سے ہٹ گئے اور بعض نے اپنے امام کے موقف کی غلط ترجمانی بھی کی جس کا بڑا سبب ان کے زمانوں کے مخصوص معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات تھے۔ (ص ۲۱۵)

اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے آج کے اہل علم مادر پدر آزاد یورپین جمہوریت پر فریفتہ ہو کر اس کے لئے دلائل فراہم کرتے ہیں۔ بہرحال یہ بحث ص ۲۱۴ سے ۲۳۱ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کی

لوگ بہت کم ظرف ہوتے ہیں جو حقیقت کو نہ سمجھ کر ہنگامہ کر دیتے ہیں، جیسے چند سال قبل لاہور میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کی معرکۃ الآراء کتاب "تاریخ تصوف" پر بعض نادانوں نے اس لئے ہنگامہ کیا کہ اس کتاب میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "کشف المحجوب" کے متعلق لکھا ہے کہ "اس میں مندرج احادیث اکثر فنی اعتبار سے صحیح نہیں کہ آں مخدوم کا یہ فن تھا ہی نہیں" ...... جاہلوں کے ہنگامہ سے نالائق حکومت نے کتاب ضبط کر لی، جسے ہم نے کورٹ میں چیلنج کر دیا اور کتاب بحال ہوئی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مولانا انور شاہ نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حدیثی و فقہی مقام میں فرق کیا ہے تو ایک حقیقت ہے، اس پر چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہیں ...... ایسے ہی مولانا محمد طاسین جیسے اصحاب علم، علمی کاوش سے کوئی بات کہتے ہیں تو انہیں اسلاف کا دشمن گردانا انصاف نہیں ...... ہاں مزہ اس میں ہے کہ مولانا نے جس محنت سے کتاب لکھی اور جس قدر مطالعہ کر کے یہ گلدستہ تیار کیا، اس طرح کوئی پتہ مار کر ان کے نتائج فکر کو جھٹلائے۔ اس حصہ میں صحابہ و تابعین کے وہ آثار بھی بڑی کثرت سے نقل ہیں جو مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتے ہیں (ص ۲۱۰ تا ۲۱۴) ...... ان حضرات میں بڑی نامور اور اہم شخصیتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کی جلالتِ علمی کا اپنا ایک مقام ہے۔

○○○○○

اب مولانا اس موڑ پر آتے ہیں جہاں حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے مزارعت پر گفتگو ہے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں واضح کیا ہے کہ ان بزرگوں کے موقف کے لئے ان کی فقہ سے متعلق بنیادی کتابیں سامنے ہونا لازم ہیں کہ صدیوں بعد کی کتابیں ایسی ہیں کہ ان کے مؤلفین اپنے امام کے موقف سے ہٹ گئے اور بعض نے اپنے امام کے موقف کی غلط ترجمانی بھی کی جس کا بڑا سبب ان کے زمانوں کے مخصوص معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات تھے۔ (ص ۲۱۵)

اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے آج کے اہل علم مادر پدر آزاد یورپین جمہوریت پر فریفتہ ہو کر اس کے لئے دلائل فراہم کرتے ہیں۔ بہرحال یہ بحث ص ۲۱۴ سے ۲۳۱ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کی

نہیں، وہ اسے اسلاف پر طعنہ زنی قرار دیتے ہیں۔ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ان اصدقاء امت کے دامن ہماری وجہ سے مجروح ہوں، لیکن قاضی صاحب نے ایک یمنی عالم کے حوالہ سے (ص ۴۴ مضمون الخیر) شیخ ابن قیم کی جو بات علامہ ابن تیمیہ کے متعلق لکھی ...... وہی ہم اس طرح عرض کریں ...... "کہ بخدا، اسلاف کا ہر فرد ہمارے لئے قابل احترام ہے، لیکن دینی حقائق اور امت رسول کی بہتری کا معاملہ سب سے بڑھ کر ہے" ...... تو غلط نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے بعد امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بہت واضح ہے۔ امام کے ساتھ ان کے تلامذہ اور تمام مالکی علماء و فقہا اس معاملہ میں یک زبان ہیں ...... حتیٰ کہ بعض مالکی علماء اس معاملہ سے حاصل ہونے والے غلہ وغیرہ کا کھانا اور اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیتے ہیں (ص ۲۲۷) حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مزارعت کے معاملہ کو بالکلیہ باطل قرار دیتے ہیں ... البتہ محض چند ایک شافعی علماء جو محدث زیادہ تھے اور ان میں شانِ تفقہ کم تھی، وہ بعض احناف کی طرح اس کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت الامام خود اور ان کے چوٹی کے رفقاء و متبعین اور ان کے مسلک کی بنیادی کتابیں اس معاملہ میں بالکل واضح ہیں (ص ۲۳۰) ...... البتہ حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اس شرط پر جواز مزارعت کے قائل ہیں کہ بیج بھی زمین کے مالک کی طرف سے ہو ...... تاہم مولانا کا ماتم یہ ہے کہ:

> "امام ابو حنیفہ کی تقلید کے دعویٰ اور حنفی کہلانے کے باوجود، حنفیوں نے مزارعت کے معاملہ میں اپنے امام کے موقف و مسلک کو بری طرح نظرانداز کیا اور باوجود کمزور دلائل کے صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور امام محمد الشیبانی کے موقف و مسلک کو اختیار کیا اور اس پر عمل پیرا رہے اور ہیں"۔ (ص ۲۳۲)

تو کیا مولانا کا یہ ماتم غلط ہے؟ کیا واقعہ یہی نہیں کہ ہم نے اس رویہ سے ظلم کے ایک نظام کو استحکام بخشا، خدا کی زمین کے وہ قطعات جو انسانیت کے لئے ہریالی کا سبب بنتے ہیں، ان پر چند ظالموں کی اجارہ داری کا سامان کیا اور اس سے لاتعداد مسائل سامنے آئے ...... حتیٰ کہ انسانیت کا بڑا طبقہ مذہب سے برگشتہ ہوگیا۔

مولانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر عدالت میں جایا جائے اور وہ بتلائے کہ موقف کون

نہیں' وہ اسے اسلاف پر طعنہ زنی قرار دیتے ہیں۔ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ان اصدقاء امت کے دامن ہماری وجہ سے مجروح ہوں' لیکن قاضی صاحب نے ایک یمنی عالم کے حوالہ سے (ص ۴۴ مضمون الخیر) شیخ ابن قیم کی جو بات علامہ ابن تیمیہ کے متعلق لکھی ...... وہی ہم اس طرح عرض کریں ...... "کہ بخدا' اسلاف کا ہر فرد ہمارے لئے قابل احترام ہے' لیکن دینی حقائق اور امت رسول کی بہتری کا معاملہ سب سے بڑھ کر ہے" ...... تو غلط نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے بعد امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بہت واضح ہے۔ امام کے ساتھ ان کے تلامذہ اور تمام مالکی علماء و فقہا اس معاملہ میں یک زبان ہیں ...... حتیٰ کہ بعض مالکی علماء اس معاملہ سے حاصل ہونے والے غلہ وغیرہ کا کھانا اور اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیتے ہیں (ص ۲۲۷) حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مزارعت کے معاملہ کو بالکلیہ باطل قرار دیتے ہیں ... البتہ محض چند ایک شافعی علماء جو محدث زیادہ تھے اور ان میں شانِ تفقہ کم تھی' وہ بعض احناف کی طرح اس کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت الامام خود اور ان کے چوٹی کے رفقاء و متبعین اور ان کے مسلک کی بنیادی کتابیں اس معاملہ میں بالکل واضح ہیں (ص ۲۳۰) ...... البتہ حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اس شرط پر جواز مزارعت کے قائل ہیں کہ بیج بھی زمین کے مالک کی طرف سے ہو ...... تاہم مولانا کا ماتم یہ ہے کہ:

> "امام ابو حنیفہ کی تقلید کے دعویٰ اور حنفی کہلانے کے باوجود' حنفیوں نے مزارعت کے معاملہ میں اپنے امام کے موقف و مسلک کو بری طرح نظرانداز کیا اور باوجود کمزور دلائل کے صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور امام محمد الشیبانی کے موقف و مسلک کو اختیار کیا اور اس پر عمل پیرا رہے اور ہیں"۔ (ص ۲۳۲)

تو کیا مولانا کا یہ ماتم غلط ہے؟ کیا واقعہ یہی نہیں کہ ہم نے اس رویہ سے ظلم کے ایک نظام کو استحکام بخشا' خدا کی زمین کے وہ قطعات جو انسانیت کے لئے ہریالی کا سبب بنتے ہیں' ان پر چند ظالموں کی اجارہ داری کا سامان کیا اور اس سے لاتعداد مسائل سامنے آئے ...... حتیٰ کہ انسانیت کا بڑا طبقہ مذہب سے برگشتہ ہوگیا۔

مولانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر عدالت میں جایا جائے اور وہ بتلائے کہ موقف کون

یہ غضب ناک ہونے والی بات نہیں بلکہ گہرائی کے ساتھ سوچنے والی بات ہے اور ہماری صدیوں کی تاریخ اس کی المناک مثال ہے ...... خود ہمارے یہاں کسی زمانہ میں جمعیت علماء اسلام جیسی جماعت اپنے منشور میں اس جاگیرداری سسٹم کے خلاف انقلابی رائے کا اظہار کرتی ہے جس کا حصہ مخدومی قاضی صاحب بھی تھے' تو مفاد پرست طبقہ آگے بڑھ کر کئی علماء کو ہی ڈھال بنا کر ان سے فتوائے کفر حاصل کر لیتا ہے' جس میں بھاشانی' بھٹو' مجیب اور ولی خان کے علاوہ جمعیت کے اکابر کو بھی لپیٹ لیا جاتا ہے۔ وہ علماء جنہوں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے فتویٰ کا کاروبار اپنایا اور اب تک اپنائے ہوئے ہیں ان کو کیا نام دیا جائے گا؟ اس لئے ۲۵۰ صفحہ کی ایک علمی کتاب میں اس طرح کی دو ایک سطروں کی تلخی قبول کرنا ہی پڑے گی کہ یہ معاملہ دین کا ہے' امت کے ایمان کو بچانے کا ہے اور ہدایت سے محروم انسانیت کو دین کی دعوت کا ہے ...... اور پھر واقعہ وہی ہے جو مولانا نے لکھا کہ:

"عہدِ صحابہ کے بعد مسلمانوں کا تعامل بذات خود نہ کسی بات کے جواز کی دلیل ہے نہ عدم جواز کی" ...... (ص ۲۴۵)

صحابہ کا تعامل البتہ سر آنکھوں پر اور اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ ہر صحابی پوری قوت سے اس مسئلہ کے عدم جواز کی بات کر رہا ہے۔

○○○○○

کتاب کے شروع کے حصے جس میں نظام زمینداری کے مفہوم پر گفتگو ہے' اس کی بنیادوں کا ذکر ہے اور اسلام میں تصور ملکیت اور پھر شخصی ملکیت پر قلم اٹھایا گیا ہے' ان کا احقر نے قصداً ذکر نہیں کیا۔ بلاشبہ وہ ابحاث بہت ہی قیمتی ہیں اور اس قابل کہ ان کے ایک ایک لفظ کو حرز جاں بنایا جائے۔ گو کہ اس تصور کے حوالہ سے بھی ربوہ کے اربابِ دانش کا ایک خاص موقف ہے تو بدقسمتی سے ایک طویل عرصہ اربابِ پٹھانکوٹ بھی اسی ڈگر پر چلتے رہے اور اس حوالہ سے ہر دو طبقات کی کتابیں ایک دوسرے کا عکس نظر آتی ہیں ...... مولانا نے ان تمہیدی ابحاث میں نہ کسی کو نشانہ بنایا نہ کسی پر طنز کی بلکہ اصولی اور ٹھوس گفتگو کی ہے' تاکہ حقائق الم نشرح ہو سکیں۔ آخر میں قریبی دور کے ایک مظلوم مصلح کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں تاکہ روایات کی ماری ہوئی مخلوق اپنے رویہ پر نظرثانی کر سکے:

یہ غضب ناک ہونے والی بات نہیں بلکہ گہرائی کے ساتھ سوچنے والی بات ہے اور ہماری صدیوں کی تاریخ اس کی المناک مثال ہے ...... خود ہمارے یہاں کسی زمانہ میں جمعیت علماء اسلام جیسی جماعت اپنے منشور میں اس جاگیرداری سسٹم کے خلاف انقلابی رائے کا اظہار کرتی ہے جس کا حصہ مخدومی قاضی صاحب بھی تھے، تو مفاد پرست طبقہ آگے بڑھ کر کئی علماء کو ہی ڈھال بنا کر ان سے فتوائے کفر حاصل کر لیتا ہے، جس میں بھاشانی، بھٹو، مجیب اور ولی خان کے علاوہ جمعیت کے اکابر کو بھی لپیٹ لیا جاتا ہے۔ وہ علماء جنہوں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے فتویٰ کا کاروبار اپنایا اور اب تک اپنائے ہوئے ہیں ان کو کیا نام دیا جائے گا؟ اس لئے ۲۵۰ صفحہ کی ایک علمی کتاب میں اس طرح کی دو ایک سطروں کی تلخی قبول کرنا ہی پڑے گی کہ یہ معاملہ دین کا ہے، امت کے ایمان کو بچانے کا ہے اور ہدایت سے محروم انسانیت کو دین کی دعوت کا ہے ...... اور پھر واقعہ وہی ہے جو مولانا نے لکھا کہ:

> "عہدِ صحابہ کے بعد مسلمانوں کا تعامل بذات خود نہ کسی بات کے جواز کی دلیل ہے نہ عدم جواز کی" ...... (ص ۲۴۵)

صحابہ کا تعامل البتہ سر آنکھوں پر اور اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ ہر صحابی پوری قوت سے اس مسئلہ کے عدم جواز کی بات کر رہا ہے۔

○○○○○

کتاب کے شروع کے حصے جس میں نظام زمینداری کے مفہوم پر گفتگو ہے، اس کی بنیادوں کا ذکر ہے اور اسلام میں تصور ملکیت اور پھر شخصی ملکیت پر قلم اٹھایا گیا ہے، ان کا احقر نے قصداً ذکر نہیں کیا۔ بلاشبہ وہ ابحاث بہت ہی قیمتی ہیں اور اس قابل کہ ان کے ایک ایک لفظ کو حرز جاں بنایا جائے۔ گو کہ اس تصور کے حوالہ سے بھی ربوہ کے اربابِ دانش کا ایک خاص موقف ہے تو بدقسمتی سے ایک طویل عرصہ اربابِ پٹھانکوٹ بھی اسی ڈگر پر چلتے رہے اور اس حوالہ سے ہر دو طبقات کی کتابیں ایک دوسرے کا عکس نظر آتی ہیں ...... مولانا نے ان تمہیدی ابحاث میں نہ کسی کو نشانہ بنایا نہ کسی پر طنز کی بلکہ اصولی اور ٹھوس گفتگو کی ہے، تاکہ حقائق الم نشرح ہو سکیں۔ آخر میں قریبی دور کے ایک مظلوم مصلح کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں تاکہ روایات کی ماری ہوئی مخلوق اپنے رویہ پر نظرثانی کر سکے:

اسلامی معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کی اہمیت (۲)

——— ازقلم : ڈاکٹر امین اللہ وثیر ———

اعتدال اور میانہ روی

" وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔" (الفرقان)

(جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل ، بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہوتا ہے)

" وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل : ۲۹)

(اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھ (کہ کچھ خرچ نہ کرے) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے)

" وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۔" (القصص : ۷۷)

(جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اسکے ذریعہ سے آخرت کے گھر کی بہتری کے لیے کوشش کر و اور اپنا دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کر اور اچھا سلوک کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ۔ اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش نہ کر)

معلوم ہوا کہ انسان کا نہ تو یہ حال ہونا چاہیے کہ عیاشی اور یار باشی میلوں ٹھیلوں اور شادی